تالمود میں تعلیماتِ امن

یہودیوں کا اہم فقہی ماخذ تالمود بھی امن کا داعی ہے۔یہودی ربیوں کے اقوال اور روایات سے اخوت ومحبت، فیاضی وکشادہ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ یہودی قوانین، جن میں امن کو سب سے اہم قرار دیا گیا ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- پیار ومحبت میں تھوڑی سی جگہ بھی کافی ہوتی ہے، جب کہ نفرت میں کشادہ مکان بھی تنگ لگے گا۔
- دوسروں کے لیے اپنی مرضی کی قربانی دے، تا کہ وہ تیرے لئے اپنی مرضی کی قربانی کو انجام دے سکیں۔
- جو انسان کو پیار کرتا ہے وہ خدا کو پیار کرتا ہے۔

تلمود میں ایک مقام پر یہ الفاظ موجود ہیں:

ربی یوسی نے کہا کہ: ''بائبل مقدس ہمیں امن قائم رکھنے کے لیے دی گئی ہے۔۵۔

یہودیت کا مقصد بنی نوع انسان کو علیحدہ کرنا نہیں، بلکہ متحد کرنا ہے اور یہ ربی مئیر کی زندگی کا ایک عظیم اصول تھا۔٦۔

ربّی مئیر نے کہا:

''ہر آدمی انکساری اور حلیمی میں چلے، نہ صرف اپنے ہم مذہب کے ساتھ، بلکہ ہر انسان کے ساتھ۔''۷۔

کاہن اعظم ربّی اسماعیل نے کہا:

''جب ایک آدمی سچائی اور انصاف کی راہ پر چلتا ہے تو خدا اسے آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے، لیکن اگر وہ گناہ کی راہ کو چنتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ میں نے تجھے عقل اور مرضی دی اور تو اپنی راہ پر چل رہا ہے۔''۸۔

لمحہ فکریہ

تعلیماتِ موسوی اپنے نزولی دور میں الہامی تعلیمات تھیں اور الٰہی احکام کی تعمیل میں امن کا قیام ان کا مقصود تھا۔ باوجود تحریف وتغیر کے عہد نامہٴ قدیم میں اس امن کی کچھ تعلیمات ابھی تک باقی ہیں، لیکن کیا یہود ان پر عمل پیرا ہیں؟ یہود کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ تورات کے احکام سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے رہے اور موقع پرستی اور دنیوی اقتدار کے لیے ان تعلیمات کو پس پشت ڈالتے رہے۔کون نہیں جانتا کہ قیامِ اسرائیل عدل وانصاف کی دھجیاں بکھیرنے کا عمل ہے اور آج بھی اہل فلسطین کی فغانِ نیم شبی اقوامِ عالم کو تڑپائے ہوئے ہے۔ نظری اعتبار سے آج بھی یہود کا دعویٰ امن کا ہی ہے، یہاں تک کہ وہ ڈھٹائی سے اسرائیل کے قیام کو بھی امن سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن حقائق اس کے برعکس ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ Violence, Terrorism and Teachings of Islam,Dr M Imtiaz Zafar, P:38۔

۲۔ قاموس الکتاب، ص ۵۲۸

۳۔ ایضاً

۴۔ یہی مضمون میکاہ، ۴: ۱۔۵ میں بھی بیان ہوا ہے۔

۵۔ تالمود، انگریزی (مترجم ایچ پولانو+ اردو مترجم سٹیفن بشیر)، مکتبہ عناویم پاکستان، گوجرانوالہ، ۲۰۰۶ئ، ص، ۲۱۲

۶۔ تالمود، انگریزی (مترجم ایچ پولانو+ اردو مترجم سٹیفن بشیر)، ص ۱۴۱

۷۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۸۔ ایضاً، ۱۴۰

☆☆☆

ابوعبدالرحمٰن السُلَمِی -حیات وخدمات

ڈاکٹرمحمدمشتاق تجاروی

ابوعبدالرحمٰن السُلَمِی کا پورانام ونسب یہ تھا:ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن محمد بن موسیٰ الازدی السُلَمِی النیسابوری۔وہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ان کے والدقبیلہ بنی ازد سے تھے اوران کی والدہ کاتعلق بنوسلیم سے تھا۔اس زمانے میں نیشاپورمیں بنوسلیم انتہائی معزز خاندان ماناجاتاتھا۔یہ لوگ دولت وسیادت اورعلم وفضل ہراعتبارسے صاحب حیثیت تھے۔ایک زمانہ میں وہ نیشاپورکے حاکم بھی رہ چکے تھے۔ابوعبدالرحمن کے نانا ابوعمرو بن نجید بڑے عالم اور صوفی تھے۔انھوں نے ہی ابوعبدالرحمن کی پرورش کی تھی۔اس لیے باپ کی نسبت الازدی کے مقابلے میں نانا کی نسبت السلمی سے زیادہ مشہورہوئے۔

خاندان

ابوعبدالرحمن السلمی کے والد بھی بڑے عالم اور زاہدوصوفی تھے۔ان کے بارے میں امام حاکم نے تاریخ نیشاپور میں لکھا ہے: **قلما رأیت فی أصحاب المعاملات مثله۔** ۱؎ (میں نے اصحاب معاملات میں ان جیسا کوئی دوسرانہیں دیکھا)۔علامہ جامی نے ان کا مستقل تذکرہ لکھاہے اوران کی بڑی تعریف کی ہے۔۲؎ وہ عبداللہ المنازل اورابوعلی الثقفی کی صحبت میں رہے۔انھوں نے شبلی کو دیکھا تھا۔انہوں نے صوفیہ سے متعلق کچھ چیزیں بھی تحریر کی تھیں،لیکن اب ان کی کسی تحریرکا سراغ نہیں ملتا۔کہیں کہیں خود سلمی ان کے حوالے دیتے ہیں کہ میں نے اپنے والدکی تحریر میں ایسا لکھا ہوا دیکھا ۳؎ ان کے والدکی وفات ۳۴۸ھ/ ۹۵۹ء میں ہوئی۔

ابوعبدالرحمن السلمی کی والدہ بھی ایک صاحبِ ذکر اور فاضلہ خاتون تھیں اوران

کے والد ابو عمرو بن نجید کی تربیت وصحبت اور صوفی منش شوہر کی رفاقت نے ان کے ذاتی خصائل کی مزید پرورش کی ہوگی۔ ان کے بارے میں تفصیلات کم ملتی ہیں۔ ان کی ایک نصیحت خود سلمی نے روایت کی ہے، جس سے ان کے ذوق ومزاج کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ جب شیخ ابو القاسم النصر آبادی نے حج کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ سلمی نے بھی اپنی والدہ سے حج پر جانے کی اجازت مانگی۔ والدہ نے اجازت بھی دی اور یہ نصیحت بھی کی: **توجهت الی بیت الله، فلا یکتبنّ علیک حافظاک شیئاً تستحیی منه غداً** [۴] (تم بیت اللہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہو۔ اس کا دھیان رکھنا کہ فرشتے تمھاری کسی ایسی بات کو نہ لکھنے پائیں، جس کی وجہ سے تم کو کل شرمندہ ہونا پڑے) شیخ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ضمناً ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے اقوال بھی نقل کیے ہیں، جن سے ان کے مزاج ورجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔

ولادت

ابو عبد الرحمن السلمی بروز منگل، ۱۰/ جمادی الاخریٰ ۳۲۵ھ/ ۲۵/ اپریل ۹۳۷ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ [۵] ان کے والد بہت امیر نہ تھے، لیکن بیٹے کی ولادت کی خوشی میں انھوں نے اپنا تمام اثاثہ بیچ کر صدقہ کر دیا۔ [۶]

سلمی کے ایک شاگرد اور جلیل القدر صوفی محمد بن علی الخشاب نے اپنے شیخ کی سوانح حیات لکھی تھی۔ وہ کتاب تو ضائع ہوگئی، لیکن امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء اور تاریخ الاسلام میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اس لیے یہ دونوں کتابیں سلمی کے حالات کے لیے بڑی حد تک مستند مراجع ہیں۔ ذہبی نے عبد الفاخر بن اسماعیل الفارسی کی کتاب 'سیاق التاریخ' کو بھی بطور مرجع استعمال کیا ہے۔ اس کتاب میں سلمی کا سنہ ولادت ۳۳۰ھ/ ۹۴۱ء لکھا ہے۔ لیکن ان کے شاگرد محمد بن علی الخشاب کی تحریر کردہ تاریخ، جو اوپر مذکور ہے، وہ زیادہ معتبر ہے اور امام ذہبی نے ان کی رائے نقل کرنے کے بعد اس کے حق میں دلائل بھی دیے ہیں۔ ذہبی کی ایک دلیل یہ ہے کہ ۳۳۳ھ/ ۹۴۴ء میں سلمی نے ابو بکر الضبعی سے حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ [۷] اس لیے اس وقت ان کی عمر کم از کم سات یا آٹھ سال

ہوگی، جو بالعموم تعلیم کے آغاز کا سن ہوتا ہے، تین سال نہیں ہوگی کہ اس عمر کے بچے سے حدیث نقل کرنا متصور نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سلمی کی ولادت مکی بن عبداللہ کی وفات کے چار دن بعد ہوئی تھی اور مکی بن عبدالرحمن کا انتقال ۶/جمادی الاخریٰ ۳۲۵ھ/۲۱/اپریل ۹۳۷ء میں ہوا تھا۔۸؎ اس لیے چار دن بعد ۱۰/ جمادی الاخریٰ ۳۲۵ھ/ ۲۵/اپریل ۹۳۷ء میں ان کی ولادت زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

تعلیم وتربیت

ابوعبدالرحمن السلمی کا گھریلو ماحول علمی و دینی تھا۔ چنانچہ بالکل ابتداء میں ہی ان کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوگیا تھا۔ جب ان کی عمر صرف سات یا آٹھ سال تھی۔ اس وقت سے انھوں نے حدیث لکھنی شروع کی۔ نیشا پور کے جید عالم ابو بکر الضبعی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ۹؎ اور یہاں سے تعلیم کی تکمیل کے بعد بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور عراق، بغداد، رے، ہمدان، مرو، حجاز وغیرہ کے مشائخ سے حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ خطیب نے بغداد کے متعدد اسفار کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۰؎

اساتذہ

سلمیٰ نے بلاد اسلامیہ کے اپنے علمی سفر میں بے شمار علماء سے استفادہ کیا، خاص طور پر تصوف اور حدیث کے ائمہ سے انھوں نے زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں سب سے مشہور شخصیت امام دارقطنیؒ کی ہے، جو حدیث کے جلیل القدر امام تھے۔ ان کی کتاب سنن دارقطنی صحاح ستہ کے بعد حدیث کی سب سے معتبر کتاب مانی جاتی ہے۔ سلمی نے ان سے طویل عرصے تک استفادہ کیا اور جرح و تعدیلِ رواۃ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے صرف امام دارقطنی کے اقوال جمع کیے ہیں۔ چوں کہ یہ کتاب سوالات و جوابات کی شکل میں ہے، اس لیے اس کا نام ہی 'کتاب السؤالات' ہے۔ دارقطنی کے علاوہ ابونصر السّراج، جن کی کتاب 'اللمع فی التصوف' تصوف کی سب سے پہلی باضابطہ تصنیف مانی جاتی ہے، وہ بھی ان کے اساتذہ میں ہیں۔ ان کے علاوہ ابوالقاسم النصرآبادی احمد بن علی بن شاذان ابن حسنویہ، حلیۃ الاولیاء کے مصنف

ابونعیم الاصفہانی، ابوبکر القفال الشاشی، ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الشیبانی اور بہت سے اساتذہ سے انھوں نے اکتسابِ فیض کیا۔

نورالدین شریبہ نے سلمی کے ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔۱۱؎ ان کی مختلف کتابوں میں جو روایات ہیں، ان میں کم وبیش سو (۱۰۰) اساتذہ کا تو یقینا تذکرہ مل جائے گا۔

سلمی نے ابوالقاسم نصر آبادی کے ساتھ بہت وقت گزارا۔ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے۔ انھوں نے ابوالقاسم کے بارے میں لکھا ہے کہ جب بھی ہم کسی نئے شہر میں پہنچتے تو ابوالقاسم مجھ سے کہتے: چلو یہاں چل کر حدیث سنتے ہیں۔۱۲؎

تلامذہ

سلمی کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت ہے۔ ان کے بعض تلامذہ کو شہرتِ لازوال حاصل ہوئی۔ وہ اپنے اپنے علم وفن کے میدان میں امام تسلیم کیے گئے۔ ان کے تلامذہ میں حدیث کے مشہور امام بیہقیؒ بھی ہیں۔ ان کے علاوہ تصوف کے امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ، امام ابوالمعالی جوینی نیشاپوریؒ اور تصوف کے جلیل القدر امام شاہ ابوسعید ابوالخیرؒ بھی ان کے شاگرد ہیں۔ مستدرک علی الصحیحین کے مصنف امام حاکمؒ اصلاً تو ان کے ساتھی ہیں، لیکن تاریخ نیشاپور میں انھوں نے سلمی سے روایات لی ہیں، اس لیے ان کو بھی ان کے تلامذہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ نورالدین شریبہ نے اور بھی بعض اصحاب کا تعارف کرایا ہے، جنھوں نے سلمی سے روایات لی ہیں، اس طرح ان کا شمار ان کے حلقۂ تلامذہ میں ہوتا ہے۔

علمی مقام ومرتبہ

ابوعبدالرحمن السلمی تفسیر اور تصوف کے بڑے امام تھے۔ اگرچہ ان کے زمانے میں متداول دیگر علوم پر بھی ان کی اچھی نظر تھی، لیکن ان کو زیادہ شہرت انھی دو علوم کی وجہ سے ملی اور ان کی اکثر تصانیف بھی تصوف سے ہی متعلق ہیں۔ ان کے بارے میں ان کے معاصرین اور تلامذہ نے جو کچھ لکھا ہے اور بعد کے علما میں جس طرح ان کے علوم اور ان کی کتابوں کو

مقبولیت ملی ہے، اس سے ان کے علمی مقام و مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے ایک معاصر اور استاد اور اپنے وقت کے جید عالم ابو نعیم اصفہانیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"سلمی ان لوگوں میں سے تھے جن کو تصوف میں کامل درک حاصل تھا۔ انھوں نے تصوف کو اسلافِ اولین کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا، ان کے طریقے کا اتباع کیا اور ان کے آثار و کتب سے وابستہ رہے۔ جاہل اور نفس پرست صوفیہ نے تصوف میں جو اضافہ کیے ہیں وہ ان سے دور تھے اور ان پر تنقید بھی کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کی نظر میں تصوف کی حقیقت اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مضمر تھی۔" ۱۳؎

خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے:

"ابو عبدالرحمن کا مقام و مرتبہ ان کے اہل شہر میں بہت بلند تھا اور صوفیہ کے درمیان ان کی بڑی حیثیت تھی۔ ساتھ ہی وہ حدیث کے بھی عالم تھے۔ انھوں نے مشائخِ حدیث سے روایات جمع کیں اور کتابیں لکھیں۔ نیشا پور میں ان کا ایک دائرہ [خانقاہ] اب بھی ہے جس میں صوفیہ رہتے ہیں۔ میں خود وہاں گیا تھا۔ اسی دائرہ میں ان کی قبر ہے۔ میں نے قبر کی زیارت بھی کی تھی۔ ۱۴؎

امام ذہبیؒ نے لکھا ہے:

"سلمی خاص و عام، موافق و مخالف، حکم راں و رعایا، سب کے درمیان اور ان کے اپنے شہر میں اور بلاد اسلامیہ کے ہر شہر میں یکساں مقبول تھے۔ اسی حالت میں وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔" ۱۵؎

حافظ عبدالغافر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

"ابو عبدالرحمن اپنے عہد میں طریقۂ تصوف کے شیخ تھے۔ ان کو تمام علوم کے حقائق اور طریقۂ تصوف کی معرفت حاصل تھی۔ انھوں نے فنِ تصوف میں بڑی نادر کتابیں لکھیں اور انھوں نے ایسا کتب خانہ تشکیل دیا تھا کہ ان سے قبل کوئی بھی ایسا کتب خانہ تیار نہ کر سکا۔" ۱۶؎

اہلِ علم کی تنقید

سلمی کے بارے میں ان کے بعض معاصرین اور خاص طور پر محدثین نے تنقید کی ہے۔ محمد بن یوسف النیشا پوری القطان کہتے ہیں کہ ابوعبدالرحمن سلمی غیر ثقہ ہیں۔ انھوں نے اصم سے صرف چند باتیں ہی سنی تھیں، لیکن امام حاکم ابوعبداللہ بن ربیع کی وفات کے بعد تاریخ یحییٰ بن معین کی مدد سے اصم کی روایات بیان کرنے لگے۔ ان کے سوا بھی بہت سی باتیں بیان کرنے لگے۔ وہ صوفیہ کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ ۱۷؎

شذرات الذہب میں بھی یہی بات اختصار کے ساتھ آئی ہے۔ ۱۸؎

ذہبی نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ امام بیہقی، قاسم بن الفضل الثقفی اور محمد بن یحییٰ المزکی نے ان سے روایات لی ہیں، لیکن حدیث کے معاملے میں وہ ضعیف ہیں۔ ۱۹؎ اس کے ساتھ امام ذہبی نے ان کا دفاع بھی کیا ہے اور قطان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ سلمی نے سؤالات دار قطنی لکھی ہے، جس میں رواۃ اور مشائخ کے بارے میں ماہرانہ سوالات کیے ہیں۔ ۲۰؎ لیکن ساتھ ہی ذہبی نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ سلمی کی کتابوں میں موضوع روایات وقصص ہیں۔ البتہ ایک موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ سلمی جھوٹی روایات خود بیان نہیں کرتے، بلکہ محمد بن عبداللہ الرازی الصوفی وغیرہ سے روایات لیتے ہیں۔ ۲۱؎

سلمی پر دوسری تنقید ان کی تفسیر کے حوالے سے کی گئی ہے۔ ذہبی نے حدیث کے معاملے میں یک گونہ ان کی حمایت کی ہے، لیکن تفسیر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی بات درست نہیں ہے۔ بعض ائمہ نے اس کو زندقہ کہا ہے، جب کہ بعض نے اس کو حقیقت و معرفت سے تعبیر کیا ہے۔ امام ابوالحسن الواحدیؒ، جو خود بھی بڑے مفسرِ قرآن ہیں، ان کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں:

”فان اعتقد أن ذلک تفسیر فقد کفر۔“ ۲۲؎

(اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ تفسیر ہے تو اس نے کفر کیا۔)

امام واحدی کی تنقید خاصی مبالغہ آمیز ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ لطائف الاشارات میں مذکور تفسیری آراء اول تو سلمی کی نہیں ہیں، بلکہ وہ دیگر صوفیہ کی آرا ہیں، سلمی نے ان کو جمع کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں کوئی بات کفریہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر بالرائے ہے۔

لطائف الاشارات پر علما نے سخت تنقید کی ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ ہر زمانے میں علماء کی ایک جماعت نے اس تفسیر کو قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے اور بڑے اہتمام سے اس کے مطالعے کی روایت رہی ہے۔ مصنف کی حیات میں ہی بغداد و مصر میں اس کا باضابطہ سماع ہوتا تھا۔ کئی دوسرے علماء اور بعض امراء نے اس کتاب کے نسخے تیار کروائے اور مصنف کو انعام واکرام سے نوازا۔ ان کی وفات کے بعد بھی یہ تفسیر لوگوں کے درمیان متداول رہی۔ نورالدین شریبہ نے اس کو ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔

سلمی پر تنقید کے حوالے سے آخری بات یہ ہے کہ ان پر حدیث وضع کرنے کا الزام محمد بن یوسف القطان نے لگایا ہے، لیکن یہ الزام مبہم ہے۔ ان کی تنقید ہے: ''**كان يضع للصوفية أحاديث**'' (وہ صوفیہ کے لیے احادیث وضع کرتے تھے)۔ اس طرح کی مبہم تنقید کسی کو متہم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس لیے خطیب بغدادی، جنھوں نے یہ تنقید سب سے پہلے نقل کی ہے، انھوں نے بھی کہا ہے: **و قد كان مع ذلك صاحب حديث مجوداً**۔ ۲۳؎ (اس کے باوجود وہ اچھے محدث تھے) اور طبقات الشافعیۃ کے مصنف نے لکھا ہے: **أبو عبدالرحمن ثقه و لا عبرة بهذ الكلام** (ابوعبدالرحمن ثقہ ہیں اور (قطان کے) اس قول کا کوئی اعتبار نہیں۔) ۲۴؎

قطان نے سلمی پر دوسرا الزام یہ لگایا ہے کہ وہ امام حاکم کی وفات کے بعد یحییٰ بن معین کی تاریخ سے اصم کی روایات بیان کرنے لگے۔ ۲۵؎ امام حاکم کا انتقال ۴۰۵ھ میں ہوا۔ اس وقت سلمی کی عمر اسّی (۸۰) سال تھی۔ کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص ساری زندگی زہد و تقوی کی زندگی گزارتا رہے اور بڑھاپے میں ایک معمولی

بات کے ذریعے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرلے۔ اس لیے بظاہر سلمی کو وضع حدیث سے متہم کرنے یا دوسرے اعتراض سے متہم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

تصانیف

سلمی کے والد بہت کشادہ حال نہیں تھے، لیکن ان کے نانا ابوعمرو بن نجید امیر آدمی تھے۔ سلمی کی پرورش دراصل ان کے نانا نے کی اور سوائے سلمی کی والدہ کے ان کے نانا کا کوئی اور وارث نہیں تھا، اس لیے ان کی وفات کے بعد ان کے وارث سلمی ہی ہوئے۔ ابوعمرو بن نجید کے اثاثے کا تخمینہ تین ہزار دینار لگایا گیا ہے۔۲۶؎ سلمی نے اس اثاثے کو علم کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ انھوں نے ایک بڑی لائبریری تیار کی تھی۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ ایسا کتب خانہ ان سے قبل کسی نے جمع نہیں کیا۔۲۷؎ سلمی نے ۳۵۵ھ کے قریب تصنیف وتالیف کا آغاز کیا اور سات سو (۷۰۰) اجزاء لکھے اور تین سو (۳۰۰) اجزاء احادیثِ نبویؐ کے لکھے۔ ان کی تصانیف بہت مقبول تھیں۔ ۲۸؎ سلمی چالیس (۴۰) سال سے زیادہ تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔ ۲۹؎

سلمی کی تصانیف کی تعداد سوانح نگاروں نے مختلف لکھی ہے۔ اکثر مورخین نے ان کی تعداد سو (۱۰۰) بیان کی ہے۔ ابن العماد نے بھی یہی تعداد لکھی ہے۔۳۰؎ ذہبی نے سو سے زیادہ تعداد لکھی ہے۔ یہ تصانیف ان کی زندگی میں ہی بہت مقبول ہوگئی تھیں۔ ان کی تفسیر کو لوگ باضابطہ منبر قائم کرکے سنا کرتے تھے۔ ذہبی نے لکھا ہے:

> ’’ان کی تصنیفات بہت مقبول تھیں۔ لوگ ان کو بہت پسند کرتے تھے، گراں قیمت پر خریدتے تھے اور ان سے ان کی روایت کرتے تھے۔‘‘ ۳۱؎

ابوعبدالرحمن سلمی نے تفسیر، اسماء الرجال اور تصوف میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ فؤاد سیزگین نے ان کی حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ حقائق التفسیر

۲۔ طبقات الصوفیۃ: یہ تصوف کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ شیخ الاسلام

عبداللہ انصاری نے اس کا آزاد فارسی ترجمہ اور اس پر اضافے کیے ہیں۔ یہ ترجمہ بھی طبقات الصوفیۃ کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۳۔ مناھج العارفین: یہ کتاب سلوک مناھج العارفین کے نام سے بھی ملتی ہے۔

۴۔ جوامع آداب الصوفیۃ

۵۔ عیوب النفس و مداوا تھا: ابن زروق البرنسی نے اس کی منظوم شرح 'الانس فی عیوب النفس' کے نام سے لکھی ہے۔

۶۔ رسالۃ الملامتیۃ ۷۔ درجات المعاملات

۸۔ آداب الصحبۃ وحسن العشیرۃ ۹۔ آداب الفقر وشرائطہ

۱۰۔ الفرق بین علم الشریعۃ والحقیقۃ ۱۱۔ مسأئلۃ درجات الصالحین

۱۲۔ غلطات الصوفیۃ ۱۳۔ بیان زلل الفقراء ومواجب آدابھم

۱۴۔ کتاب الفتوۃ ۱۵۔ سلوک العارفین

۱۶۔ مقدمۃ فی التصوف ۱۷۔ بیان أحوال الصوفیۃ

۱۸۔ تہذیب الناسخ والمنسوخ فی القرآن لابن شہاب زہری

۱۹۔ الأربعون فی أخلاق الصوفیۃ ۲۰۔ مسائل وردت من مکۃ

۲۱۔ وصیۃ ۲۲۔ آداب الصوفیۃ

۲۳۔ کتاب السماع ۲۴۔ حدیث السلمی

۲۵۔ سؤالات للدارقطنی عن أحوال المشائخ والرواۃ

۲۶۔ مقامات الأولیائ ۲۷۔ الرد علی أھل الکلام

ان کے علاوہ سلمی کی بعض تصانیف اور بھی تھیں، لیکن وہ ضائع ہو گئیں۔ ان کی ضائع شدہ تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ کتاب الزہد: اس کا تذکرہ خود سلمی نے طبقات الصوفیۃ میں کیا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اَرباب الأحوال یعنی صوفیہ سے قبل کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے زہاد کا تذکرہ کیا ہے۔ ۳۲؎

۲۔ آداب التغازی: اس کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کیا ہے۔

۳۔ الاستشہادات: اس کا تذکرہ ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں کیا ہے۔

۴۔ أمثال القران: اس کا تذکرہ حاجی خلیفہ (کشف الظنون: ۱/۴۳۶) اور ابن الجوزی نے کیا ہے۔

۵۔ تاریخ أہل الصفۃ: ابونعیم اصفہانی نے اس کو اپنی کتاب 'حلیۃ الاولیائ' میں پورا نقل کیا ہے اور ہجویری نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۔ تاریخ الصوفیۃ: طبقات الصوفیۃ کے علاوہ ایک اور کتاب تھی جو اس سے پہلے لکھی تھی۔ اس کے اقتباسات بعض کتابوں جیسے تاریخ الاسلام للذہبی اور نفحات الانس للجامی میں ملتے ہیں۔

۷۔ جوامع آداب الصوفیۃ

۸۔ محن الصوفیۃ: اس کا تذکرہ ذہبی نے ذوالنون مصری ۳۳؎ کے ضمن میں کیا ہے۔

۹۔ مقامات الأولیائ: اس کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور ابن عربی نے محاضرات الأبرار میں کیا ہے۔

۱۰۔ الاخوۃ والأخوات من الصوفیۃ: اس کتاب کا تذکرہ خطیب بغدادی نے بکیر بن دراج کے ضمن میں کیا ہے۔

۱۱۔ سنن الصوفیۃ: ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وفات

ابو عبدالرحمن السلمی کی وفات اتوار کے دن ۳/شعبان ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء میں ہوئی۔ ۳۴؎